# تزکیۂ نفس

## تزکیۂ علم ——— اسوۂ حسنہ

(مولانا امین احسن اصلاحی)

(۲)

یہ بات واضح ہو جانے کے بعد کہ معرفت الٰہی کا قابل اعتماد ذریعہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتے ہیں دوسرا اہم سوال ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کی حیثیت اور آپ کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت کیا ہے؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ عہد صحابہ و تابعین کے گذرنے کے بعد سے اس چیز کے بارہ میں ہمارے درمیان بہت کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور اس اختلاف کا اثر حصول معرفت کے اس مقصد پر بھی لازماً پڑتا ہے جو آپؐ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے۔ اس وجہ سے ہم چاہتے ہیں کہ پہلے اختصار کے ساتھ نقطہائے نظر کا یہ اختلاف واضح کر دیں، اس کے بعد تفصیل کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری کس نوعیت کی وابستگی معرفت الٰہی کے مقصد کے لیے کارآمد ہو سکتی ہے اور یہ وابستگی پیدا کرنے کے لیے ہمیں کن باتوں کا اہتمام کرنا ہے اور کس قسم کی جدوجہد عمل میں لانی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی حیثیت اور آپ کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت کے بارہ میں خود مسلمانوں کے اندر جو غلط تصورات پیدا ہو چکے ہیں وہ ہیں تو بہت سے لیکن ہم ان سب کی تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم صرف چار بنیادی غلط فہمیوں کی طرف اشارہ کریں گے جو ہمارے چار بڑے بڑے گروہوں کے اندر پائی جاتی ہیں۔

۱۔ ہمارے اندر ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو خدا اور بندوں کے درمیان نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی حیثیت سمجھتا ہے جو ایک کاتب اور مکتوب الیہ کے درمیان کسی ہرکارہ اور

ایک دیانت دار چٹھی رساں کی ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بس یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب اپنے بندوں پر نازل فرمانی چاہی وہ آپؐ نے ان کو پہنچا دی۔ اس کے بعد آپ کا کام ختم ہوگیا۔ وہ اپنے اسی تصور کے لحاظ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت متعین کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ منصبِ رسالت کا اس قدر حقیر تصور رکھتے ہوں ان کے لیے معرفتِ الٰہی کے نقطۂ نظر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اور جب آپ کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہ جاتی تو آپ کی ذات کے ساتھ کسی غیر معمولی وابستگی کے لیے بھی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ جب اصلی کام آپ کا صرف خط کا پہنچا دینا تھا اور آپ خط پہنچا چکے تو اس کے بعد اگر کوئی اہمیت باقی رہتی ہے تو وہ اصل خط کی ہے یا زیادہ سے زیادہ کاتب کی۔ نہ کہ خط کے لانے والے قاصد کی؛ اس کے بعد تو اگر قاصد درمیان سے سرے سے غائب بھی ہو جائے جب بھی ان حضرات کے نقطۂ نظر سے کوئی خلا نہیں واقع ہونا چاہیے۔

رسالت کا یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے۔ نبی، خدا اور اس کے بندوں کے درمیان صرف ایک قاصد اور نامہ بر ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک معلّم بھی ہوتا ہے، ایک مزکّی بھی ہوتا ہے، ایک مرشد بھی ہوتا ہے، ایک مبیّن بھی ہوتا ہے، ایک مبشّر بھی ہوتا ہے، ایک مُنذر بھی ہوتا ہے، ایک سراجِ منیر بھی ہوتا ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ ایک واجب الاطاعت ہادی بھی ہوتا ہے۔ اور پھر اپنی ان تمام خصوصیتوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ارشاد و ہدایت کے فرائض کے سلسلہ میں براہِ راست خدا کی نگرانی میں ہوتا ہے جس کے سبب سے وہ غلطی اور گمراہی کے تمام خطروں سے بالکل محفوظ و مامون ہوتا ہے۔ اس کا فریضہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خدا کی کتاب بندوں کو پہنچا دے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ وہ اس کتاب کے تمام اسرار و رموز لوگوں کو سمجھا دے؛ اس کتاب پر عمل کرکے دکھا دے، اس کتاب پر عمل کرنے والوں کا ایک گروہ اپنی تعلیم و تربیت سے تیار کر دے اور اس کتاب کے مضمرات ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں میں نمایاں کر دے۔ ان سارے کاموں میں اس کی اپنی ذات ایک عامل کی حیثیت سے بھی شریک ہوتی ہے اور ایک رہنما کی حیثیت سے بھی شریک ہوتی ہے۔ اور اپنی اس دوسری حیثیت میں جو کچھ وہ کہتا ہے یا کرتا ہے یا جس چیز کو وہ منظور کر لیتا ہے اس کو اس کتاب کے اور اس کے منصبِ رسالت کے تحت ہی سمجھا جاتا ہے اور اسی

حیثیت سے اس کو قبول کیا جاتا ہے۔

رسالت کے اس تصور کو سامنے رکھ کر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم جتنی گوناگوں نوعیتوں کے تعلقات رکھتے ہیں اتنی گوناگوں نوعیتوں کے تعلقات نہ دنیا میں ہمارے کسی کے ساتھ ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے آپ سے آپ یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان گوناگوں تعلقات کی نوعیت سے اچھی طرح واقف نہ ہو یا ان میں سے بعض کا یا کُل کا منکر ہو تو وہ ہرگز آپ کی ذات بابرکات سے وہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جس کے لیے آپ کی بعثت ہوئی ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ جو منصب رسالت کے متعلق سخت غلط فہمیوں میں مبتلا ہے وہ ہمارے اربابِ تصوف کا ہے۔ یہ لوگ اوّل تو شریعت اور طریقت اور علم ظاہر اور علم باطن کی الگ الگ حدبندیاں قائم کیے ہوئے ہیں پھر مزید ستم یہ کرتے ہیں کہ ان دونوں علموں کو ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جہاں تک علم ظاہر یا علم شریعت کا تعلق ہے اس کی تعلیم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو دی لیکن علم باطن یا علم طریقت کی تعلیم آپ نے بطور ایک راز کے صرف چند مخصوص لوگوں ہی کو بتائی اور پھر انہی لوگوں کے واسطہ سے یہ علم سینہ بہ سینہ تصوف کے مختلف سلسلوں تک منتقل ہوا۔ اور وہی اس راز کے امین بنے۔

اس خیال کے اندر جو خرابیاں ہیں اور اس سے منصبِ نبوت کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر اس سے معرفت الٰہی کے نصب العین کو جو نقصان پہنچتا ہے اس کی طرف ہم اس کتاب کی پہلی فصل[1] میں بعض اشارات کر چکے ہیں۔ یہ خیال اگرچہ غلط ہے لیکن غلط ہونے کے باوجود ہمارے نزدیک کم از کم اس پہلو سے غنیمت ہے کہ اس میں علم ظاہر اور علم باطن دونوں کا سرچشمہ نبی ہی کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ علم شریعت کا سرچشمہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کیا گیا ہو لیکن علم طریقت کا سرچشمہ کسی اور کو قرار دے دیا گیا ہو۔ ورنہ اہل تصوف میں تو ایک گروہ ایسا بھی ہے جو نبوت اور ولایت کے دو الگ الگ بالکل متوازی منصب تسلیم کرتا ہے۔ پھر ان میں سے ایک کو وہ علم ظاہر کا (یعنی علم شریعت کا) سرچشمہ قرار دیتا ہے اور دوسرے کو علم باطن کا۔ اس گروہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جس طرح

[1] کتاب کی یہ فصل ترجمان بابت فروری و مارچ ۵۳ء میں چھپ چکی ہے۔

خاتم الانبیاء کا منصب مخصوص ہے اسی طرح بعض اشخاص کے لیے ان کے نزدیک خاتم الاولیاء کا منصب مخصوص ہے۔ ان کے نزدیک یہ دونوں منصب بالکل دو متوازی نظاموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دو مستقل متوازی نظاموں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ ان کے درمیان رقابت اور کشمکش کی حالت رہے۔ چنانچہ ان کے درمیان بھی برابر رقیبانہ چوٹیں چلتی رہی ہیں۔ طریقت کے علمبردار شریعت کے حامیوں کو ظاہر پرست اور بے مغز قرار دیتے ہیں اور شریعت کے حامی طریقت کے حامیوں کو مبتدع اور گمراہ ٹھیراتے ہیں۔ اور اس تعصب اور غلو نے بڑھتے بڑھتے یہ شکل اختیار کر لی ہے کہ بہت سے صوفی حضرات شریعت کو اپنی طریقت کے مقابل میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے اور معرفتِ الٰہی کے نقطۂ نظر سے ان کی نگاہوں میں جو مرتبہ شیخ محی الدین بن عربی کا ہے وہ العیاذ باللہ کسی نبی کا بھی نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص منصبِ رسالت کے متعلق اس سوءِ ظن میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معرفتِ الٰہی کا ایک ذرہ بھی حاصل نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ بزعمِ خویش علمِ باطن میں اتنا کمال حاصل کرے کہ ہوا میں اڑنے اور پانی پر دوڑنے لگ جائے۔ معرفتِ الٰہی کا اصلی ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کی شریعت آخری اور کامل شریعت ہے اس وجہ سے لازماً آپ خاتم الاولیاء اور خاتم العارفین بھی ہیں۔ معرفت کا جو مقام آپ کو حاصل ہوا وہ نہ کسی اور کو حاصل ہوا اور نہ ہوگا اور علم کا جو خزانہ آپ کی شریعت کے اندر پوشیدہ ہے وہ خزانہ نہ کسی اور چیز کے اندر ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

۴۔ ہمارے اندر ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماضی کی ایک قابلِ احترام شخصیت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ اگرچہ ساری قوم چونکہ آپ کو رسول کہتی ہے اس وجہ سے یہ لوگ بھی آپ کو رسول ہی کہتے ہیں اور قومی روایات کے زیرِ اثر آپ کے لیے حمیت اور عصبیت کا جذبہ بھی ایک حد تک رکھتے ہیں۔ لیکن یہ بات ان لوگوں کے دل میں کسی طرح بھی نہیں دھنستی کہ آپ جس معاملہ میں جو کچھ فرما گئے ہیں وہی حرفِ آخر ہے اور انسان کی دنیوی اور اخروی سعادت کا انحصار بس اس کو بے چون و چرا مان لینے ہی میں ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک آپ نے جو کچھ بتایا اور سکھایا وہ ایک مخصوص

زمانہ اور ایک مخصوص ماحول کے لیے تو بے شک ٹھیک تھا لیکن علم و روشنی کے اس زمانہ میں بھی انہی چیزوں پر اصرار کیے جانا ان کے خیال میں جہالت اور حماقت ہے۔ اب آپ کی بتائی ہوئی باتوں میں سے اگر کچھ چیزیں ماننے جانے کے قابل ہیں تو یا تو وہ ہیں جو خود انکی اپنی خواہشات کے مطابق ہیں یا وہ ہیں جن کو خوش قسمتی سے موجودہ زمانہ بھی قدر و احترام کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کو یہ لوگ دل سے گوارا کرنے کے لیے تیار ہوں اگرچہ اپنی کمزوری اور بزدلی کے سبب سے اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہ رکھتے ہوں۔

۴۔ ہمارے عوام الناس کا ایک بڑا طبقہ ایسے لوگوں پر بھی مشتمل ہے جن کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بس ایک اندھی بہری عقیدت کا مرجع ہے وہ مختلف اوقات میں اپنی اس عقیدت کا اظہار کر کے اپنے خیال میں آپ کی نبوت و رسالت کے تمام حقوق و واجبات سے اپنے آپ کو سبکدوش کر لیتے ہیں۔ انہیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس مقصد کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے، آپ نے دنیا کو کیا تعلیم دی، اپنے بعد امت کے اوپر کیا ذمہ داریاں چھوڑ گئے اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنا ہے۔ ان سوالوں پر غور کرنے اور ان کے تقاضے پورے کرنے کے بجائے وہ اپنے تصورات کے مطابق آپ کی ذات کے ساتھ اظہار عقیدت کر لینے کو کافی سمجھتے ہیں اگرچہ اس اظہار عقیدت کا طریقہ صریحاً آپ کی تعلیمات اور ہدایات کے خلاف ہو۔ جاہل پیروں اور مولویوں کی ایک جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عوام کے اس جذبۂ عقیدت سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ شریعت کی حقیقی ذمہ داریوں سے محفوظ رہتے ہوئے عوام میں مقبول بننے کا یہ راستہ بہت سہل ہے کہ عوام کی اس جاہلانہ عقیدت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت سے اٹھا کر خدائی کے منصب پر متمکن کرنے کی کوشش کی اور اپنے زعم کے مطابق اس کے دلائل فراہم کیے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہار عقیدت و محبت کے ایسے طریقے ایجاد کیے جن سے ان کو اپنی خواہشات نفس کی تسکین کے لیے شریعت کی تمام پابندیوں سے کھلی چھٹی مل جائے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور آپ کی

محبّت و عقیدت کا کلمہ پڑھتے ہوئے اُن تمام عقائد کی بنیادیں بھی ڈھادی گئیں جن سے معرفت الٰہی کی راہیں کھلتی تھیں اور وہ تمام اعمال و اخلاق بھی برباد کردیے گئے جو اس معرفت کو جلا دینے والے تھے۔ جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس مقصد کے لیے بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کے لیے رہنما بنے اور ان کو خدا کا راستہ دکھائے اسی کے نام کو ان ظالموں نے اس مقصد کے لیے استعمال کیا کہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے ہٹا کر ان کو گمراہی کے راستوں پر ڈال دیں۔

**نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی صحیح نوعیت**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اور آپ کے ساتھ ہمارے تعلق کی نوعیت سے متعلق ہمارے اندر جو گمراہیاں آج پھیلی ہوئی ہیں ان میں سے ہم نے یہ چند بڑی بڑی گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر معرفت الٰہی کے حصول کا واحد راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے تو ان گمراہیوں کی موجودگی میں آپ کے ساتھ نہ تو ہمارا صحیح ربط ہی قائم ہو سکتا اور نہ وہ چیز ہی ہم آپ سے حاصل کر سکتے جس کے حاصل ہونے کا آپ واحد ذریعہ ہیں۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ جن بنیادوں پر قرآن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیں اپنا تعلق استوار کرنے کی ہدایت کی ہے ہم وہ بنیادیں واضح کر دیں تاکہ جو شخص خدا تک پہنچنا چاہے وہ خدا تک پہنچنے کے واحد ذریعہ کے ساتھ اپنی ٹھیک وابستگی قائم کر سکے۔

ہمارے نزدیک قرآن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کو مندرجہ ذیل چار بنیادوں پر قائم کیا ہے:۔

**ایمان**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان کا مطلب صرف یہ مان لینا نہیں ہے کہ آپ اللہ کے آخری رسول ہیں بلکہ ایمان کی اصلی روح آپ کی ذات پر سچّا اور پکّا اعتماد ہے۔ اس بات کا اعتماد کہ آپ صادق اور امین ہیں، اس بات کا اعتماد کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے اور جو کچھ کیا ہے اس میں سے کوئی بات بھی جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتی، اس بات کا اعتماد کہ آپ کے ہر قول اور ہر فعل کے اندر گہری حکمت ہے اگرچہ وہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آرہی ہو، اس بات کا اعتماد کہ آپ نے جو راہ دکھائی ہے اگرچہ بظاہر اس میں کتنے ہی خطرات نظر آرہے ہوں لیکن نجات اور فلاح

کی حقیقی راہ وہی ہے، اس بات کا اعتماد کہ آپؐ نے زندگی کے جو اصول سکھائے ہیں وہ وقتی اور عارضی نہیں ہیں بلکہ وہ دائمی اور ابدی ہیں اور انسان ان سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکے گا۔ اور سب سے بڑھ کر اس بات کا اعتماد کہ خدا کی معرفت کا جو طریقہ آپؐ نے بتایا اور سکھایا ہے اس سے بڑھ کر نہ کوئی اور طریقہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

جب تک آدمی کے اندر یہ اعتماد نہ پیدا ہو مجرد اس تصدیق سے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آدمی ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں ہوتا اور نہ یہ ایمان اس معرفت کے نقطۂ نظر سے کچھ کارآمد ہوتا جو اس ایمان کی حقیقی غائت ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربًا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا (مسلم)

ایمان کا مزہ اس نے چکھا جو اللہ کے اپنا رب ہونے پر، اسلام کے اپنا دین ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنا رسول ہونے پر مطمئن ہو گیا۔

یہی اعتماد ہے جس کی تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت عمرؓ کو دی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم کبھی کبھی یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا "کیا جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے دین کے بارہ میں حیرانیوں میں پڑ گئے تم بھی اسی طرح حیرانیوں میں پڑنا چاہتے ہو؟ میں نے تمہارے سامنے اللہ کے دین کو بالکل روشن اور شفاف صورت میں رکھا ہے۔ اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے سوا چارۂ کار نہ تھا[1]۔

یہی بات ایک دوسری روایت میں کچھ مختلف طریقہ پر وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ پر کچھ خفگی کا بھی اظہار فرمایا۔ حضرت عمرؓ کو جب حضور کی خفگی کا احساس ہوا تو وہ فوراً پکار اٹھے کہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا۔ میں اللہ کے اپنا رب ہونے پر،

---

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ [2] مشکوٰۃ، باب مذکور

اسلام کے اپنا دین ہونے پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنا نبی ہونے پر پوری طرح مطمئن ہوں۔

ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ جہاں تک اللہ کی معرفت کا راستہ دکھانے اور خدا کی صراطِ مستقیم کو واضح کرنے کا تعلق ہے یہ کام بہتر سے بہتر طریق پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دے دیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اگر آپ کے بعد ہوتے تو اسی طریقہ کی پیروی کرتے۔ ظاہر ہے کہ حق کی رہنمائی کے نقطۂ نظر سے جب آنحضرت صلعم اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کی شریعت کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تو دوسرے اشخاص اور ان کے علوم و افکار اور نظریات و تجربات کی کیا وقعت باقی رہتی ہے۔ دوسرے علوم و افکار اگر کچھ قابلِ لحاظ ہو سکتے ہیں تو صرف اس حد تک ہو سکتے ہیں جہاں تک وہ کتاب و سنت کے موافق و موید ہوں۔ اگر کوئی شخص اس حد سے بڑھ کر کسی فکر و فلسفہ کو، یا کسی وجدان و کشف کو یا کسی طریقہ اور تجربہ کو نبی کے علم و عمل پر ترجیح دے یا اس کے برابر ہی ٹھہرائے یا اس کسوٹی پر جانچے بغیر ہی اس کو تسلیم کرے اور اس کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا بھی دعویٰ کرے تو اس کا دعوائے ایمان محض ایک فریبِ نفس ہے کیونکہ اس کا ایمان اس اعتماد سے بالکل خالی ہے جو اس ایمان کی اصل روح ہے۔

**اطاعت** نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی دوسری شرط آپ کی کامل اطاعت ہے۔ دنیا میں کوئی نبی اور رسول بھی محض اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ بس اس کو مان لینے کی حد تک لوگ نبی اور رسول مان لیں بلکہ اس کے بھیجے جانے سے اصل شئے جو مقصود رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور زندگی کے معاملات میں جو احکام و ہدایات وہ دے اس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے۔ اس حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:-

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ۔ (نساء - ۶۴)

ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

دوسری جگہ ہے کہ آدمی کے نیک اعمال کی قبولیت کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے۔ اگر وہ اطاعت نہ کرے تو اس کے تمام نیک اعمال رائگاں ہو جاتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ ۔ (محمد ۳۳)

اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو رائگاں نہ کرو۔

رسول کی اطاعت کے مطالبہ کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی اطاعت جو اصل مقصود ہے اس کا راستہ ہی یہی ہے کہ خدا کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ براہ راست معاملہ نہیں کرتا بلکہ اپنے رسول کے واسطہ سے کرتا ہے۔ رسول ہی لوگوں کو اس کی ہدایات اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس وجہ سے جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی

من يطع الرسول فقد اطاع الله

جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی

رسول کا ہاتھ لوگوں کے لیے اللہ کے ہاتھ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ جو لوگ رسول کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ گویا بالواسطہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ (الفتح - ۱۰)

جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ ہی کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

خود احادیث میں بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کا راستہ یہی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی جائے۔ مثلاً

من اطاع محمداً فقد اطاع الله و من عصى محمداً فقد عصى الله و محمد فرق بين الناس (بخاری)

جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جس نے محمدؐ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان محمدؐ ہی نشان امتیاز ہیں۔

قرآن مجید میں یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ یہ اطاعت محض ظاہری اور رسمی قسم کی مطلوب نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ آدمی پورے طور پر اپنے آپ کو خدا کی کتاب اور پیغمبر کی سنت کے تابع کر دے۔ آپس میں جتنے قضیے اور مسئلے بھی پیدا ہوں ان سب کے طے کرنے کے لیے کتاب و سنت کی ہی

طرف رجوع کیا جائے اور پھر کتاب و سنت کے فیصلہ کو دل کے پورے اطمینان اور طبیعت کی پوری رضامندی کے ساتھ قبول کیا جائے، اس کے خلاف دل کے اندر کسی قسم کی بدگمانی یا شکایت نہ رہنے فرمایا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (نساء - ۶۵)

پس نہیں تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہیں جب تک کہ ان تمام معاملات میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں وہ تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تمہارے فیصلہ سے اپنے دلوں کے اندر کوئی تنگی بھی نہ محسوس کریں اور وہ پورے طور پر اپنے آپ کو تمہارے تابع نہ بنائیں۔

ان آیات و احادیث کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ ان کا تعلق صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی سے تھا اور جب آپ کی ذات خاص ہمارے درمیان نہیں رہی تو اس اطاعت کا سوال بھی باقی نہیں رہا۔ آپ کی وفات کے بعد اللہ کی کتاب اور آپ کی سنت امت کے اندر آپ کی قائم مقام ہے اس وجہ سے اب انہی دونوں چیزوں کی اطاعت آپ کی اطاعت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے اس کی وصیت بھی فرما دی تھی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہٗ[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہو گے اس وقت تک تم گمراہ نہ ہو گے۔

علاوہ ازیں ایک اسلامی حکومت کے وہ امراء اور حکام بھی اسی حکم میں داخل ہیں جو زمین میں خدا کی کتاب اور آپ کی سنّت کے نافذ کرنے والے ہوں۔ اس کی تصریح بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن اطاع الامام فقد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے

---

[1] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

اطاعنی ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن عصی الامام فقد عصانی[1]

امام کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام کی نافرمانی کی تو اس نے میری نافرمانی کی۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کتاب اور سنت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اس کے احکام سے ہمیں جو آگاہ فرمایا ہے ہم ان کی پوری پوری اطاعت کریں۔ اگر محض زبان سے آنحضرت صلعم کی رسالت کا اقرار کیا جائے اور اطاعت اپنی ہوائے نفس کی یا اپنی آزاد مرضی کے ساتھ، رسول کی ہدایات کے خلاف، دوسروں کی کی جائے تو اس طرح رسول کو رسول ماننا وہ ماننا نہیں ہے جس سے معرفت الٰہی کے دروازے کھلیں بلکہ اس طرح کا ماننا آدمی کے خسران اور اس کی بدبختی میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔

**اتّباع** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی تیسری بنیاد اتّباع ہے۔ اتباع کا دائرہ اطاعت سے زیادہ وسیع ہے۔ اطاعت کے دائرہ میں تو عموماً وہی باتیں آتی ہیں جن کی حیثیت احکام و واجبات اور اوامر و نواہی کی ہو لیکن اتّباع کے دائرہ میں مستحبات و نوافل بھی آجاتے ہیں۔ پھر اطاعت بعض حالات میں محض ظاہری اور رسمی بھی ہوسکتی ہے، آدمی ایک شخص کی اطاعت کرتا ہے لیکن اس کی اطاعت میں اخلاص اور محبت کا جذبہ ذرا بھی شامل نہیں ہوتا، لیکن اتّباع میں متبوع کے لیے عقیدت و احترام کا جذبہ بھی پایا جانا شرط ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اطاعت ہی نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی اتباع بھی کرتے تھے۔ وہ صرف اس بات کا انتظار نہیں کرتے تھے کہ آپ کسی بات کا حکم دیں تو وہ اس کی تعمیل کریں یا کسی بات سے روکیں تو اس سے رک جائیں بلکہ وہ آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھتے، اس کو نگاہ میں رکھتے، اور پھر اس کی تقلید کرتے تھے۔ آپ کس طرح اٹھتے ہیں، کس طرح بیٹھتے ہیں، کس طرح سوتے ہیں، کس طرح جاگتے ہیں، کس طرح چلتے ہیں، کس طرح گفتگو کرتے ہیں، کس طرح کھانا کھاتے ہیں، کس طرح

[1] بخاری، کتاب الاحکام

ہاتھ دھوتے ہیں، کس طرح وضو کرتے ہیں، کس طرح نماز پڑھتے ہیں؛ غرض وہ آپ کی تمام حرکات و سکنات پوری طرح نظر میں رکھتے اور پھر ان میں سے ہر شخص کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ وہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالے۔ اور یہ اہتمام وہ کسی خارجی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ محض محبت و عقیدت کے جذبہ سے سرشار ہو کر کرتے تھے۔

اتباعِ رسول میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس ذوق و شوق کی وجہ یہ تھی کہ خدا کی محبت اور محبوبیت کا درجہ صرف اطاعتِ رسول سے نہیں بلکہ درحقیقت اتباعِ رسول سے حاصل ہوتا ہے۔ رسولِ خدا کی معرفت کا مظہرِ اتم ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک ادا معرفتِ الٰہی کا نشان ہوتی ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ رسول کی ایک ایک ادا سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ رسول کے اندر وہ علم دیکھتے ہیں جو خدا کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے، وہ عمل دیکھتے ہیں جو خدا کی معرفت سے پیدا ہوتا ہے، وہ عادات دیکھتے ہیں جو خدا کو پسند ہیں، وہ صفات دیکھتے ہیں جو خدا کو محبوب ہیں، وہ جمال دیکھتے ہیں جس پر جمالِ خداوندی کا پرتو ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ رسول کے ایک ایک نقش کو تلاش کر کر کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ وہ خدا کی محبت میں کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا صلہ یہ پاتے ہیں کہ وہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ یہی حقیقت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان کی گئی ہے:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ - (آل عمران)

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

درحقیقت رسول کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہی یہی ہے کہ معرفتِ الٰہی کا جو عکس انسان کی زندگی پر پڑنا چاہیے اس کو رسول کی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرا دیا جائے۔ اگر باطن میں معرفت کا نور جلوہ گر ہو تو ظاہر کی ایک ایک چیز میں جو نورانیت ہونی چاہیے، پیغمبر کی زندگی اس کا کامل نمونہ ہوتی ہے اس وجہ سے اس کی زندگی کی ایک ایک ادا کو پیروی کے لیے اسوۂ حسنہ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور جو اس اسوۂ حسنہ کی پیروی میں جتنا ہی ترقی کرتا ہے وہ خدا کی محبت اور اس کی محبوبیت میں اتنی ہی ترقی کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ — تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے

**محبت** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی چوتھی شرط آپ کے ساتھ ہماری محبت ہے۔ دین میں وہ ایمان یا وہ اطاعت معتبر نہیں ہے جس کی بنیاد محبت پر نہ ہو۔ ایسی اطاعت جس کی تہ میں محبت کا جذبہ کارفرما نہ ہو بعض حالات میں محض نفاق ہوتی ہے۔ پھر محبت بھی محض رسمی اور ظاہری قسم کی مطلوب نہیں ہے بلکہ ایسی محبت مطلوب ہے جو تمام محبتوں پر غالب آجائے، جس کے مقابل میں عزیز سے عزیز رشتے اور محبوب سے محبوب تعلقات کی بھی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہ جائے، جس کے لیے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جا سکے لیکن خود اس کو کسی قیمت پر بھی نہ چھوڑا جا سکے۔ قرآن مجید میں اس محبت کا معیار یہ قرار دیا گیا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ (توبہ - ۲۴)

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے خاندان اور مال جو تم نے کمایا ہے، اور تجارت جس کے گر جانے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور مکانات جو تمہیں پسند ہیں، اگر یہ ساری چیزیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے۔

اسی حقیقت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف طریقوں سے احادیث میں بھی واضح فرمایا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص کا ایمان بالرسول متحقق نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ کو اپنے باپ بیٹے اور دوسرے تمام عزیزوں اور قرابتداروں سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے

وَلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔[1] نزدیک اس کے باپ، اس کے بیٹے اور دوسرے
(متفق علیہ) تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی محبت کے بعد ہی کوئی شخص ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا ہو سکتا ہے۔

ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان۔ من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما۔ (الحدیث) (متفق علیہ)

تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ان کے سبب سے ایمان کا مزا چکھے گا، ایک وہ شخص جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول دوسری تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں

لیکن یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس محبت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس سے مقصود محض وہ جذباتی محبت نہیں ہے جو آدمی کو فطری طور پر اپنے بیوی بچوں یا اپنے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ اس سے مقصود وہ عقلی اور اصولی محبت بھی ہے جو ایک شخص کو کسی اصول اور کسی مسلک کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور جس کی بنا پر وہ ہر جگہ اس اصول اور اس مسلک کو مقدم رکھتا ہے۔ اس اصول اور اس مسلک کے اوپر وہ ہر چیز، ہر اصول، ہر مسلک اور ہر خواہش اور ہر حکم کو قربان کر دیتا ہے لیکن خود اس کو دنیا کی کسی چیز پر بھی قربان نہیں کرتا۔ اس اصول اور مسلک کی برتری کے لیے وہ ساری چیزوں کو پست کر دیتا ہے لیکن اس اصول اور مسلک کو کسی حالت میں بھی پست دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ اگر اس سے خود اس کا اپنا نفس اس مسلک کی مخالفت میں مزاحم ہوتا ہے تو وہ اس سے بھی لڑتا ہے اور اگر دوسرے اس سے مزاحم ہوتے ہیں تو ان کا بھی وہ مقابلہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بیوی بچوں اور اعزا و اقارب کے مطالبات بھی اگر اس کے اس مسلک کے مطالبات سے کسی مرحلہ میں ٹکراتے ہیں تو وہ اپنے اصول اور مسلک کا ساتھ دیتا ہے اور بے تکلف اپنے بیوی بچوں کی خواہشوں اور اپنے خاندان اور قوم کے مطالبہ کو ٹھکرا دیتا ہے۔

اس محبت کا اصولی اور عقلی ہونا خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں واضح فرما دیا ہے

[1] مشکوٰۃ باب الایمان [2] ایضاً

آپ کا ارشاد ہے :-

من احب سنتی فقد احبّنی ومن احبّنی کان معی فی الجنۃ (ترمذی)

جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

**اطاعت بلا محبت اور محبت بلا اتّباع** اس تفصیل سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارا ایمانی تعلق اس وقت تک استوار نہیں ہو سکتا جب تک اس ایمان کی بنیاد اطاعت، اتباع اور محبت پر نہ ہو۔ وہیں مختلف اشارات سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اطاعت بلا محبت کے نفاق اور محبت بلا اطاعت و اتباع کے بدعت ہے۔

یہ بات کہ اطاعت بلا محبت کے نفاق ہے خود قرآن مجید سے نہایت واضح طور پر ثابت ہے حوالیٔ مدینہ کے بہت سے اعراب اسلام کی سیاسی طاقت بڑھ جانے کے بعد اسلامی احکام و قوانین کی ظاہری اطاعت کرنے لگے تھے لیکن یہ اطاعت محض سیاسی مصالح کے تحت مجبورانہ تھی، اللہ اور رسول کی محبت اور اس ایمان کا نتیجہ نہیں تھی جس کی اصلی روح اخلاص و اعتماد ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے جب بعض مواقع پر اپنے ایمان کا دعویٰ اس طرح کیا جس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ انہوں نے ایمان لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اسلام پر کوئی بہت بڑا احسان کیا ہے تو قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کی کہ ان مدعیان ایمان سے کہہ دو کہ محض اسلامی احکام و قوانین کی ظاہری اطاعت سے آدمی مومن نہیں ہو جایا کرتا بلکہ ایمان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص و محبت بھی شرط ہے، اور یہ چیز تمہارے اندر چونکہ مفقود ہے اس وجہ سے ابھی تمہارا دعوائے ایمان بھی غلط ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (الحجرات - ۱۴)

اور یہ اعرابی لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے ہو البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کر لی ہے۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں کے اندر نہیں داخل ہوا ہے۔

یہی دوسری بات یعنی محبت بلا اطاعت و اتباع کا بدعت ہونا تو یہ اوپر کی آیات و احادیث سے واضح طور پر نکلتی ہے

جس طرح قرآن مجید نے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ والی آیت میں اللہ کی محبت کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ نبی کی اتباع کی جائے اور بغیر اتباعِ نبیؐ کے اللہ کی محبت کے جتنے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں ان سب کو بدعت و ضلالت قرار دیا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے من احب سنّتی فقد احبّنی والی حدیث میں یہ واضح فرما دیا کہ آپ سے محبّت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کی سنت کے ساتھ محبت کی جائے۔ اور بعض دوسری حدیثوں میں آپ نے اپنی محبت میں اس قسم کے غلو کی ممانعت فرمائی ہے جس قسم کا غلو نصاریٰ نے حضرت عیسٰی کی محبت میں کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہدایت اور یہ ممانعت اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کی سنت کی پیروی نہیں کرتے، اوّل تو ان کا دعوے ہی بے حقیقت ہے اور اگر اس کے اندر سچائی کی کوئی رمق ہے بھی تو ان کی یہ محبت بالکل بے معنی محبت ہے۔ اور اگر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے کے کچھ ایسے طریقے بھی ایجاد کر لیے ہیں جو صریحاً آپ کی سنت کے خلاف ہیں تو یہ اسی طرح کی بدعت ہے جس طرح کی بدعت نصاریٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی محبت میں کی ہے کہ ان کو پیغمبر کے بجائے خدا بنا کے بٹھا دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محض عقلی اور اصولی ہی نہیں تھی بلکہ جذباتی بھی تھی لیکن یہ جذبات کبھی حدودِ کتاب و سنت سے متجاوز نہیں ہوتے تھے۔ ایک طرف یہ حال تھا کہ صحابؓ اپنے اوپر بڑی سے بڑی تکلیف اٹھا لیتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں ایک کانٹے کا چبھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ان کے اپنے جسم تیروں سے چھلنی ہو جاتے تھے لیکن وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے جیتے جی آپ کا بال بھی بیکا ہو، مرد تو مرد عورتوں تک کے جذبات کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے بیٹے اور شوہر اور باپ اور بھائی سب کو قربان کر کے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی آرزوئیں رکھتی تھیں۔ دوسری طرف اتباعِ سنت کا یہ اہتمام تھا کہ اس محبت سے

مغلوب ہو کر بھی کبھی کوئی ایسی بات ان سے صادر نہیں ہوتی تھی جو آپ کی صریح ہدایات تو درکنار آپ کی پسند ہی کے خلاف ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ملاحظہ ہو:۔

| | |
|---|---|
| عن انس قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذٰلک (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) | حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص بھی محبوب نہ تھا۔ لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو آپ کی تعظیم کے لیے نہ کھڑے ہوتے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ آپ اس بات کو ناپسند کرتے تھے |

لیکن آج اگر ہم مسلمانوں کا جائزہ لیں تو ان کے اندر عظیم اکثریت ایسے ہی لوگوں کی نکلے گی جو یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس ایمان کے ساتھ اطاعت موجود نہیں ہے، یا محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اتباعِ سنت نہیں ہے۔ اطاعت اور اتباع دونوں کی جگہ انہوں نے اپنے جی سے چند چیزیں ایجاد کر لی ہیں ـــــ کچھ میلاد کی مجلسیں منعقد کر دیتے ہیں، کچھ دیگیں پکوا کے تقسیم کر دیتے ہیں، ایک آدھ جلوس نکلوا دیتے ہیں، کچھ نعرے لگوا دیتے ہیں ـــــ بس اس طرح کی کچھ باتیں ہیں جن سے ان کا ایمان اور ان کی محبتِ رسول عبارت ہے۔ آپ کو کتنے ایسے اشخاص مل جائیں گے جنہوں نے نماز مدت العمر نہیں پڑھی لیکن مہینہ میں میلاد کی مجلسیں اور قوالی کی محفلیں کئی بار منعقد کرتے ہیں، مال رکھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنے کی ان کو کبھی توفیق نہیں ہوئی لیکن اپنی ان بدعات پر جو وہ رسول اللہ صلعم کے نام پر کرتے ہیں، ہر سال ہزارہا روپے خرچ کر دیتے ہیں، ان کو اس بات کی کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا مطالعہ کریں اور ان کی روشنی میں اپنی زندگیوں کا جائزہ لے کر ان کو درست کرنے کی کوشش کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اپنے آپ کو ہر وقت سرشار ظاہر کرتے ہیں اور نعتیہ اشعار پڑھ کر یا سُن کر ان پر وارفتگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

یہ حالت ہمارے کسی ایک ہی طبقہ کی نہیں ہے بلکہ ہمارے اکثر طبقے اس قسم کی محبتِ رسول کے دعویدار ہیں اور اگر کچھ لوگ اتباعِ سنت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں تو ان کا حال بھی یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام سنت بس چند اختلافی مسائل کے اندر سمٹ آئی ہے۔ بس انہی چند چیزوں پر ان کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف انہی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ہوئی تھی۔